ڈاکٹر صغیر افراہیم

طلسم ہوش رُبا: ماضی تا حال

Tilism-e-Hoshruba is the longest narrative comprising 46 volumes and is spread over almost 50,000 pages. It is the result of a concentrated effort of several writers and has been discussed in detail from the technical and thematic aspects in this article.

❖•❖•❖•❖•❖•❖•❖

ماضی کے دریچوں سے جھانک کر دیکھا جائے تو کل کے انسان نے اپنے احساس تنہائی اور احساس محرومی کی کوفت اور اس سے پیدا ہونے والے ذہنی تناؤ کو ختم کرنے کی غرض سے داستان سرائی کا سہارا لیا تھا۔نسخہ مجرب تھا،کارآمد ثابت ہوا۔اور پھر دھیرے دھیرے ذہنی آسودگی،روزمرہ کی تکان سے نجات،اور تکلیف دہ حالات سے وقتی فرار کے لیے داستان سب سے مؤثر وسیلہ بن گیا۔تخیل کی کارفرمایئوں نے ایسے ایسے پیچیدہ مسائل چٹکیوں میں حل کر دیے کہ سامعین ششدرہ رہ گئے۔خیالات کی بلند پروازی،مافوق الفطرت عناصر کی تحیر خیزی اور زبان و بیان کی رنگینی نے داستان کو بام عروج تک پہنچا دیا۔

داستانوں کا موضوع کچھ بھی ہو اُس نے حسن وعشق کی نیرنگیوں کے ساتھ دلچسپی کا عنصر لازمی قرار پایا۔ ان میں جو واقعہ کا حصہ پیش نظر ہوتا وہ دلچسپ ہوتا اور اس کی جزئیات حسین اور عام فہم ہوتیں۔ان میں اکثر تخیل کی بے لگامی ہوتی۔بات میں بات پیدا کی جاتی۔واقعات میں وہ اثر آفرینی ہوتی کہ واہ واہ اور سبحان اللہ کی صدائیں سنائی

دیتیں۔واقعات بھلے ہی محیر العقعول ہوتے لیکن سچویشن اور داستان گو کے ایکشن کے لحاظ سے اتنے صاف اور واضح ہوتے کہ بات سامعین کی سمجھ میں آسانی سے آجاتی۔بھلے ہی عقل اسے ماننے کو تیار نہ ہو کیونکہ ان کی اپنی ایک الگ دنیا ہوتی جس کا سارا نظام اس نظام کائنات سے جدا ہوتا۔اس تخیلاتی دنیا میں انسان کی تمام آرزوئیں حقیقت کی شکل اختیار کرتی ہیں۔اس کا باشندہ فضاؤں میں پرواز کرتا ہے۔تسخیر کائنات کے لئے نکلتا ہے اور غیر معمولی مزاحمتوں کو مافوق الفطرت طاقتوں سے نیست و نابود کر دیتا ہے۔اسی لئے ان میں باریکی، پیچیدگی اور گہرائی کا یہ اہتمام نہیں ہوتا۔مختلف مناظر نظروں کے سامنے آتے ہیں لیکن دیرپا نہیں ہوتے۔ان کا اصل مدعا اتنا ہی ہوتا ہے کہ ہر منظر چلتا پھرتا،دلچسپ ہو جو آنکھوں کو نور اور کانوں کو سرور بخشے۔زمان ومکاں کی قیود سے آزاد،ان کے ہر دوسین کے بیچ سالہاسال کا فرق ہوسکتا ہے۔

داستانوں میں عموماً ایک ہیرو ہوتا جو کہانی کا مرکزی کردار ہوتا۔ایک ہیروئن ہوتی یا پھر ایک سے زیادہ ہیروئینیں ہوتیں۔ہیرو بادشاہ،شہزادہ یا پھر کوئی بڑا تاجر ہوتا،جس کو عشق کا جنون ہوتا۔عیش وعشرت،رزم وبزم کے تجربات کے اسے زیادہ مواقع نصیب ہوتے۔ہرطرح کے علوم وفنون کا وہ ماہر ہوتا۔اس روشنی میں دیکھا جائے تو ہمارے افسانوی ادب کی روایت کو شائدسب سے زیادہ 'طلسم ہوش رُبا' نے متاثر کیاہے۔یہ اردو کی عظیم الشان داستان ہے۔اس میں ہنداسلامی تہذیب اور مزاج کے خصوصی مظاہر نظر آتے ہیں۔ طبقاتی امتیاز کا بڑا خیال رکھا گیا ہے یعنی بادشاہ،وزیر اور حکام کا جب بھی ذکر کیا گیا ہے، حفظ مراتب کا پورالحاظ رکھا گیا ہے۔حسن عسکری نے ٹھیک ہی کہا ہے کہ یہ صرف ماضی کا ادب نہیں ہے بلکہ جب تک ہندوپاک برصغیر میں بسنے والی مسلمان قوم تخلیقی طور پر زندہ ہے اور اپنی تخلیقی روح سے آگاہی حاصل کرنا چاہتی ہے،اس کتاب کا تعلق ہمارے حال سے قائم

'طلسم ہوش رُبا' داستانِ امیرحمزہ کی اصل روح، اس کی جان ہے۔ آٹھ دفتروں کی چھیالیس جلدوں پر مشتمل پچاس ہزار صفحات پر پھیلی ہوئی داستانِ امیرحمزہ کا پانچواں دفتر، طلسم ہوش رُبا، جو قریب دس ہزار صفحات پر پھیلا ہوا ہے، اردہ زبان کا طویل شاہکار ہے۔ تقریباً ہر نقاد نے اسے تسلیم کیا ہے کہ داستانِ امیرحمزہ کے تمام دفاتر میں سب سے دلچسپ طلسم ہوش رُبا ہی کا دفتر ہے۔ باقی دفاتر میں وہ دلچسپی اور شان نہیں بلکہ ان میں آمد کی بجائے آورد زیادہ ہے۔

عابد رضا 'مقدمہ طلسم ہوش رُبا' کے پیش گفتار میں لکھتے ہیں:

> ''آٹھ دفتری داستان امیرحمزہ کے اس پانچویں دفتر یعنی 'طلسم ہوش رُبا' کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ داستان کے بقیہ سات دفتروں کی تو، تھوڑی بہت، فارسی بنیادیں مل جاتی ہیں .... لیکن دفتر پنجم یعنی طلسم ہوش رُبا خالص ہندستانی تخلیق ٹھہرتی ہے، اور اس لحاظ سے ہندستان کو اردو زبان کا ایک نادر تحفہ، جس کا پہلا ڈھانچہ سن ستاون سے قبل رام پور میں میر احمد علی نے کھڑا کیا، اور جسے ان کے بعد اگلی پیڑھی کے انبا پرشاد (شاگرد میر احمد) نے (اس سماعی روایت کو) اور مضبوط کیا اور پھر ان کے بیٹے غلام رضا نے، 'سمع' کو 'بصرہ' میں ڈھال کے سنی جانے والی داستان کو پڑھی جانے والی کتاب میں ڈھال دیا جو چودہ جلدوں میں، غیر مطبوعہ، رضا لائبریری رام پور میں موجود ہے''

'طلسم ہوش رُبا' یعنی وہ جادو جو سر چڑھ کر بولے، ہمارے ہوش و حواس اُڑا دے، ہمیں ایک عجیب و غریب مگر رنگارنگ دنیا میں پہنچا دے۔ اس میں ہندآریائی اور ہنداسلامی تہذیب کے ساتھ لکھنوی معاشرے کی مکمل تصویر دیکھنے کو ملتی ہے۔ اس کی ابتدائی چار جلدیں محمد حسین جاہ نے (۱۸۸۳ء۔۱۸۹۰ء) لکھیں بقیہ احمد حسین قمر، اسمعیل اثر اور تصدق

حسین نے پوری کیں۔ یہ داستان اکیسویں صدی میں بھی قارئین اور قلم کاروں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔اس کا ثبوت ڈاکٹر قمرالہدیٰ فریدی کی کتاب ''طلسم ہوش رُبا: تنقید و تلخیص'' ہے۔ علمی اور ادبی حلقوں میں بلکہ عام اردوداں طبقہ میں بھی اس کتاب کی مقبولیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ آج بھی ''طلسم ہوش رُبا'' کا جادو سر چڑھ کر بول رہا ہے۔نول کشور پریس سے شائع ہونے والی 'طلسم ہوش رُبا' کی جلد اوّل (بار ہشتم ۱۹۳۰ء) جس کا عکس خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ سے ۱۹۸۸ء میں شائع ہوا، بنیادی متن کی حیثیت سے ڈاکٹر قمرالہدیٰ فریدی کے پیش نظر رہا ہے۔نو سو صفحات پر مشتمل اس حصّہ کو فریدی صاحب نے ۲۴۰صفحات میں قید کر دیا ہے۔اس میں بھی اصل متن محض ۱۶۵صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔۴۲صفحات غرض و غایت کے، ۲۷صفحات فرہنگ کے، دو امثال و محاورات کے، دو عربی، فارسی فقرے، جملے، مصرعے، اشعار اور آخر کے دو صفحات کتابیات کے ہیں۔

طلسم ہوش رُبا میں تحیّر و تجسّس قائم رکھنے کے لیے محیّر العقول عجائب وغرائب اور مافوق الفطرت قوتوں کے مظاہر کی بہتات بلکہ یلغار ہے۔محمد حسین جاہ کی امکانی کوشش یہ رہی ہے کہ جو واقعات رقم کیے جائیں اُن کو سن کر پڑھ کر لوگ مبہوت رہ جائیں۔قصّے میں دلکشی کے اضافے کی غرض سے کچھ ایسی گتھیاں پڑ جاتی ہیں اور پھر کچھ ایسے انداز سے سلجھ جاتی ہیں کہ پڑھنے والا ہکّابکّا رہ جاتا ہے۔اس میں سحر و ساحری، طلسم بندی، طلسم کشائی اور اسراریت کے ساتھ ساتھ عشق و عاشقی کے واقعات بھی بکثرت ملتے ہیں۔ہندو مسلم اتحاد کی اس معرکہ آرا تصنیف کی سب سے بڑی خوبی اس کی زبان ہے۔محمد حسین جاہ نے واقعات کے تسلسل، زبان کی فصاحت، الفاظ، محاورات، روزمرہ اور رعایت لفظی پر بھرپور توجہ دی ہے۔الفاظ و اصطلاحات کے اس بے پناہ خزانہ میں برجستہ اشعار بھی کثرت سے ملتے ہیں۔ زبانی بیانیہ کے ادبی اُفق پر چھائی رہنے والی اس عظیم داستان کو بیسویں صدی میں کئی زاویوں سے سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔کبھی منتخب قصوں کے طور پر، کبھی تنقیدی

نقطہ نظر سے اور کبھی الیکٹرانک میڈیا کے توسط سے۔ان میں نمایاں نام کلیم الدین احمد، گیان چند جین، محمد حسن عسکری، سید وقار عظیم، رئیس احمد جعفری، خلیل الرحمن اعظمی، راہی معصوم رضا، امیر حسن نورانی، سہیل بخاری، شمس الرحمن فاروقی، عابد رضا بیدار، رامانند ساگر کے ہیں۔اس فہرست میں اب ایک اور نام ڈاکٹر قمر الہدیٰ فریدی کا شامل ہو گیا ہے۔

'طلسم ہوش رُبا' کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ اس کی جلد اوّل کی فرہنگ کی تیاری کے لئے شعبۂ اردو، علی گڑھ یونیورسٹی نے محترمہ نگہت سلطانہ کو ۱۹۷۷ء میں ایم۔فل کی ڈگری تفویض کی تھی۔فرہنگ سازی ماضی کی دریافت کی ایک چھوٹی سی کوشش ہے۔اُس دور کی تشبیہیں، استعارے، تلمیحیں، محاورے، ضرب المثال اور وہ الفاظ جو آج ہمیں مُردہ نظر آتے ہیں، تلاش و کاوش اُن میں زندگی کی رو دوڑا سکتی ہے اور ہم اپنی تہذیب کی روح سے بخوبی واقف ہو سکتے ہیں۔ملبوسات، زیورات، آسائش و زیبائش، استعمال میں آنے سارا ساز وسامان، کھانے پینے کی اشیاء، اقامت گاہوں کے وہ حصے جو اب نیست ونابود ہو چکے ہیں، اُن سب سے لفظی پیکر کے توسط سے واقف ہو کر ہم اپنے ماضی کی بازیافت کر سکتے ہیں لیکن یہ کام محض فرہنگ سے پورا نہیں ہو سکتا ہے اس کے لیے طلسم ہوش رُبا کی زبان، لفظوں کا طرزِ استعمال اور اس داستان میں پیش کی گئی تہذیب و معاشرت کا گہرا مطالعہ ضروری ہے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب ہم نہ صرف اصل داستان کا خود مطالعہ کریں بلکہ اُس کے سیاق وسباق سے بھی واقف ہوں۔لیکن آج کی مصروف زندگی میں کسے اتنی فرصت ہے کہ ہزاروں صفحات کی ورق گردانی کے لیے وقت نکال سکے۔اس لیے مذکورہ داستان کی ایک جامع تلخیص کی ضرورت مدت سے محسوس کی جا رہی تھی۔اِس جوکھم کام کا بیڑا وہی اٹھا سکتا تھا جو افسانوی ادب کا نبض شناس ہو اور کسی ضخیم تصنیف کو نئے سرے سے مرتب اور منظّم انداز میں پیش کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔قمر الہدیٰ فریدی نے نہ صرف اِس جادوئی تخلیق پر تحقیقی وتنقیدی نظر ڈالی بلکہ اس پر لکھی

گئی تحریروں کا بالاستیعاب مطالعہ بھی کیا ہے۔ وہ اس بابت لکھتے ہیں:

"ضرورت محسوس کی گئی کہ طلسم ہوش رُبا کی ایک ایسی تلخیص ہو جو اس کی جملہ فنی و معنوی خصوصیات کا احاطہ کرتی ہو اور پورا قصّہ بھی اس میں سمٹ آئے۔ زیرِ نظر کاوش اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے"۔ ص ۸

صنفِ داستان سے دلچسپی رکھنے والے عام قاری خصوصاً طلباء داستانوں کی ضخامت اور اسکی ناقص طباعت کو دیکھ کر گھبرا جاتے ہیں ایسی صورتِ حال میں طلسم ہوش رُبا کی پہلی جلد کی تلخیص کو ڈاکٹر قمرالہدیٰ فریدی نے نہایت احتیاط سے شائع کرایا ہے بلکہ تدوین کے جدید ترین اصولوں کی روشنی میں متن کی تصحیح، رموز واوقاف، اعراب اور اضافتوں وغیرہ کے ساتھ جدید املا کا بھی خیال رکھا ہے۔ خوبی یہ ہے کہ پڑھنے والے کو کہیں بھی یہ احساس نہیں ہوتا کہ اس کے پیشِ نظر تلخیص ہے کیونکہ فریدی صاحب نے اس کا خاص خیال رکھا ہے کہ اصل قصّہ مجروح نہ ہو۔ اس کی روانی اور اثر پذیری متاثر نہ ہو۔ اور کوئی حصّہ چھوٹنے نہ پائے جو زبان و بیان یا تہذیب و معاشرت کی تصویر کشی کے لحاظ سے اہم ہو۔ اس ہنرمندی کی بدولت آج کے قاری کو اس کا پڑھنا اور اس سے حظ محسوس کرنا آسان ہو گیا ہے۔

جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ طلسم ہوش رُبا، داستانِ امیر حمزہ کا عروج ہے۔ امیر حمزہ اس کے ہیرو ہیں اور عمرو عیار اُن کے رفیق خاص۔ طلسم ہوش رُبا کا مالک افراسیاب ہے۔ اُس کا معبود زمرد شاہ ہے جو لقا کے نام سے مشہور ہے۔ اس جادوئی نگری کا ایک اور متحرک کردار نجتیارک ہے اس طرح حق کی نمائندگی کرنے والے امیر حمزہ، عمرو عیار، اسد غازی اور ڈھیر سارے عیار ہیں۔ اور باطل کی پیروی لقا، نجتیارک، افراسیاب، جادوگر اور جادوگرنیاں کرتی ہیں۔ البتہ حق و باطل کی اس طویل معرکہ آرائی میں فتح و کامرانی حق کو نصیب ہوتی ہے۔ اور اصل داستان کا یہی بنیادی مقصد ہوا کرتا تھا۔

''طلسم ہوش رُبا''میں قصہ کے علاوہ اُس کے عجیب و غریب کرداروں کی بھی بڑی اہمیت ہے۔مذکورہ داستان سے پوری طرح حظ حاصل کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ قارئین / سامعین اس کے کرداروں سے اچھی طرح واقف ہوں۔یہ کردار آج کے حقیقت پسندانہ ماحول میں بھی نہایت دلچسپ ہیں۔اور اپنی معنویت کا احساس دلاتے ہیں۔ مرکزی کردار امیرحمزہ نیک،بہادر اور دوراندیش ہے۔اُن کے پاس بزرگوں کے عطا کردہ تحفے ہیں۔وہ صاحبِ اِسم اعظم اور حرز ہیکل ہیں جس کی وجہ سے جادو اُن پر اثر انداز نہیں کرتا۔اُن کے نعرے کی آواز چونسٹھ کوس تک جاتی ہے۔تبلیغِ اسلام اُن کا مقصدِ حیات ہے لیکن وہ کبھی لڑائی میں پہل نہیں کرتے۔بے خبری میں کسی پر حملہ نہیں کرتے۔حریف اماں مانگے تو فوراً جنگ روک دیتے ہیں۔

مذکورہ داستان کی دوسری اہم اور انوکھی شخصیت عمروعیار کی ہے۔وہ ایک ایسی زنبیل کے مالک ہیں جس میں ہرچیز سما جاتی ہے۔اس میں سات شہراور سات دریا رواں ہیں۔ اُنکے پاس گلیمِ عیاری ہے جس کو اوڑھ لینے کے بعد وہ لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔دیوجامہ ہے جو پہننے کے بعدرنگ بدلتا رہتاہے۔اُن کے قبضے میں منڈھی دانیال ہے جس کے سائے میں بیٹھنے والے کو کوئی گرفتار نہیں کرسکتا بلکہ اس کے اندر قدم رکھتے ہی دشمن اُلٹا ہو کر لٹک جاتا ہے۔اُن کے پاس سب کچھ ہوتے ہوئے بھی یہ احساس رہتا ہے کہ،کچھ بھی نہیں ہے اور اس کا وہ اکثر رونا روتے رہتے ہیں۔اُن کے پاس ایک لاکھ چوراسی ہزارعیّار ہیں،جواُن کا کہنا ہر وقت ماننے کو تیاررہتے ہیں۔یہ عیّار بالعموم روغنِ عیار لگا کر اپنی شکل بدل لیتے ہیں۔اس بھاری بھرکم داستان مین ان کا وجود اس تلخ حقیقت کا احساس دلاتاہے کہ''چالاکی و مکّاری کس طرح اورکتنی آسانی سے ناممکن کوممکن بنا دیتی ہے''۔

ویلن کے کرداروں میں نمایاں نام افراسیاب کا ہے جو طلسم باطن، کا مالک ہے۔

اس کے ساتھ بڑے بڑے جادوگر ہیں، جادوگرنیاں ہیں۔وہ خود بھی زبردست ساحر ہے۔وہ اپنے زانو پر ہاتھ مار کر جب ہتھیلی پر نگاہ ڈالتا ہے تو آنے والی ساعتوں کی اچھائی اور برائی سے آگاہ ہو جاتا ہے،اُسے کتابِ سامری میں ہر سوال کا جواب لکھا ہوامل جاتا ہے اور اوراقِ جمشیدی کے ذریعے چھپی ہوئی باتوں کا علم ہو جاتا ہے۔اس نے اپنے کئی ہم شکل بنا رکھے ہیں جو احکام جاری کرتے رہتے ہیں۔

اس طرح کا دوسرا کردار زمرد شاہ باختری کا ہے جو افراسیاب کا معبود ہے اور لقاکے نام سے معروف ہے۔اس کے قہر وغضب سے سب ڈرتے ہیں۔ہزار ہا جادوگر اس کے پرستار ہیں جبکہ امیر حمزہ سے وہ بار بار شکست کھاتا ہے اور عمر وعیّار کے ہاتھوں ذلیل ہوتا رہتا ہے پھر بھی اپنا قصیدہ پڑھنے اور دوسروں کو ڈرانے دھمکانے سے باز نہیں آتا ہے۔اس کا وزیر بختیارک اپنی احمقانہ حرکتوں کی وجہ سے سامعین/قارئین کی دلچسپی کا مرکز بنتا ہے۔وہ بے وقوف نہیں فطرتاً ظریف ضرور ہے ۔اس لئے اس سے مضحکہ خیز حرکتیں سرزد ہوتی رہتی ہیں البتہ وہ بزدل، مکّار اور خطرناک ضرور ہے۔

''طلسم ہوش رُبا'' کے یہ کردار حیرتناک واقعات کے طوفانوں سے اِس طرح اُلجھتے اور لڑتے بھڑتے دکھائی دیتے ہیں کہ قارئین/سامعین گردوپیش سے بے خبر ہو جاتے ہیں۔وقت کی کمی کی وجہ سے آج کے انسانوں کے لیے ہزاروں صفحات پر پھیلی ہوئی اصل داستان کا مطالعہ مشکل تھا۔ڈاکٹر قمرالہدیٰ فریدی کی تلخیص نے اس مشکل کو سہل بنادیا ہے۔اس کے مقدمہ میں ضروری تنقیدی اور تحقیقی مباحث کو اس طرح سمیٹا گیا ہے کہ عام قارئین یا طلباء کو اس حیرتناک داستان کو سمجھنے میں آسانی ہو جاتی ہے۔اور وہ سلسلے بھی معلوم ہو جاتے ہیں جو اس میں نسل در نسل چلتے رہتے ہیں۔اُن کی اِس علمی کاوش کا ادبی دنیا میں خیر مقدم کیا گیا ہے۔

آج سے تقریباً ساٹھ سال قبل مشہور نقاد پروفیسر کلیم الدین احمد نے اپنے

کتاب ''اردو زبان اور زبان اورفنِ داستان گوئی''میں طلسم ہوش رُبا کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا تھا کہ:

''ہر زبان میں اساطیر اور داستانوں کا ایک ذخیرہ ہوتا ہے۔ شعرا اور انشاپرداز اس ذخیرے کی قیمتی چیزوں کو اپنے تصرف میں لاتے ہیں، قدیم داستانوں، اعتقادوں سے بھی عقبی زمین کا مصرف لیتے ہیں، انہیں نئے رنگ میں پیش کرتے ہیں اور بے شمار نقوش اور تشبیہوں سے اپنی عبارت کے حُسن میں اضافہ کرتے ہیں۔ یونانی اساطیر، یونانی یوتاؤں اور دیویوں اور ان کی دلچسپ کہانیوں کا اثر یورپ کے ہر ادب میں نمایاں ہے۔ اردو میں داستان امیر حمزہ اور خصوصاً طلسم ہوش رُبا سے یہی مصرف لیا جا سکتا ہے'' ص ۸۵

یہ رائے صدفی صد دُرست ہے اور اس لحاظ سے طلسم ہوش رُبا کی پیش نظر تلخیص ایک اہم ادبی خدمت ہے۔ اس کے مطالعہ سے ہزاروں صفحات پر پھیلی ہوئی داستان کے نقوش، تشبیہات، الفاظ وتراکیب تک بآسانی ہماری رسائی ہو جاتی ہے۔ اس طرح بہت سے نئے الفاظ کو سیکھنے کا موقع ملتا ہے۔ کتاب کے آخر مین دی گئی فرہنگ سے سیکڑوں قدیم الفاظ کے معنی معلوم ہوتے ہیں اور طلسم ہوش رُبا کے وسیع خزانہء الفاظ کا اندازہ ہوتا ہے اور اس بات کا بھی احساس ہوتا ہے کہ ماضی تا حال طلسم ہوش رُبا کا جادو سر چڑھ کر بولتا ہے۔

❖❖❖❖❖